انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy-12 P.

جلد ۲۶ - شمارہ ۱۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ رمئی ۱۹۶۷ء

اداریہ

انجمن کے سالانہ جلسے

پہلی اور دوسری مئی کو انجمن کی ادبی مجلس، مالی مجلس، مجلس عاملہ، اور مجلس عام کے جلسے ہوئے۔ عمارت کمیٹی کا بھی ایک خاص جلسہ ہوا جو خاص خاص باتیں ان جلسوں میں طے ہوئیں ان کا تذکرہ یہاں ضروری ہے تاکہ انجمن کے اگلے قدم کا لوگوں کو علم ہو جائے۔

(۱) انجمن تمام سیاسی پارٹیوں سے بات چیت کر کے انھیں اردو کے حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب اقدامات کرنے پر آمادہ کرے گی۔ اس غرض کے لیے اردو کا کیس انگریزی اور ہندی میں شائع کیا جائے گا۔ سیاسی جماعتوں کے سربراہوں سے گفتگو ہوگی ممبران پارلیمنٹ سے تبادلۂ خیالات کیا جائے گا۔ مرکز کے وزیر داخلہ اور اتر پردیش اور بہار کے بڑے وزیروں سے ملاقات کی جائے گی۔ آج ریاستی حکومتیں کئی سیاسی پارٹیاں چلا رہی ہیں اس لیے ان سے براہ راست بات چیت ضروری ہوگئی ہے۔ حکومتیں ان سیاسی پارٹیوں کے پروگرام کے مطابق کام کرتی ہیں۔ انجمن کو ان سے ربط پیدا کرنا ہے۔

(۲) انجمن کی ریاستی شاخوں کو نئے انتخابات مکمل کرنے کے لیے مزید تین ماہ کی مہلت دی گئی ہے۔ اب ۳۱ رجولائی تک تمام ریاستوں میں نئی ریاستی شاخوں کی کونسل کی تشکیل ہو جانی چاہیے اور ان کے عہدہ دار چن لیے جانے چاہئیں اور اس کے علاوہ مرکز کی مجلس عام کے لیے نمائندے کا انتخاب بھی ہو جانا چاہیے۔ انتخاب کے وقت کا کوئی نمائندہ یا مرکز کی مجلس عام کا کوئی ممبر موجود رہے گا۔

(۳) نئی دلی میں انجمن کی جو عمارت بننے والی ہے اس کا ابتدائی نقشہ ایک ماہر فن نے پیش کیا۔ یہ طے پایا کہ پانچ منزل کی ایک عمارت تیار کی جائے جس کی لاگت کا اندازہ دس لاکھ روپیہ ہے۔ فی الحال تین منزلیں تعمیر ہوں گی جن پر ساڑھے سات لاکھ کے قریب خرچ آئے گا۔ عمارت کے لیے فنڈ جمع کرنے کے لیے عنقریب انجمن کے صدر اور سکریٹری اور دوسرے ممبر دہلی، بمبئی، حیدرآباد اور دوسرے خاص خاص شہروں کا دورہ کریں گے۔ حکومت سے بھی مناسب امداد ملنے کی توقع ہے اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ انجمن کے پاس عمارت فنڈ میں جمع ہے۔ امید ہے کہ یہ عمارت ہماری مشترک تہذیب کے نقوش کی امین بھی ہوگی اور جدید خصوصیات کی حامل بھی۔

(۴) انجمن کے ادبی پروگرام میں ایک بنیادی تبدیلی منظور کی گئی ہے۔ اب مطبوعات پر جو رقم صرف ہوتی ہے اس کا نصف حصہ علمی و تحقیقی کاموں کے لیے اور نصف حصہ ایسے معیاری ادب کی اشاعت کے لیے وقف ہوگا جو مقبول بھی ہو۔ چنانچہ تخلیقی ادب اور انتخابات پر خاص توجہ ہوگی۔ ایک ذیلی کمیٹی اس نہج پر سہ سالہ پروگرام بنانے کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔ رسالہ اردو ادب کے ہر شمارے میں اب تحقیقی و تنقیدی مضامین کے علاوہ تخلیقی حصہ بھی ہوگا۔ امید ہے کہ اس طرح انجمن کی مطبوعات کی فروخت بڑھے گی اور حکومت کی امداد پر تکیہ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

(۵) غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر انجمن غالب کی اپنی پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن شائع کرنے کے علاوہ کچھ نئی کتابیں بھی شائع کرے گی۔

انجمن کے جلسوں میں حسب ذیل حضرات شریک ہوئے:

پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (صدر)، کرنل بشیر حسین زیدی ایم۔ پی، پروفیسر مسعود حسن رضوی، پروفیسر احتشام حسین، امتیاز علی خاں عرشی، شاہ معین الدین، حیات اللہ انصاری، قاضی عدیل عباسی، سجاد ظہیر، راج بہادر گوڑ، مفتی عتیق الرحمان، حمیدہ سلطان، محمد فضل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالعلیم، پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر آل احمد سرور (جنرل سکریٹری)

ماسکو میں اردو سے دل چسپی

غالب کے جشن صد سالہ کی تیاریاں

ماسکو۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی پچھلے

روس میں دس بین جامعاتی معاہدہ کے تحت مقیم ہیں۔ انھوں نے اپنے دوران قیام میں ماسکو اسٹیٹ یونیورسٹی کے چانسلر اور وائس چانسلر سے ملاقات کی اور انھیں غالب کے جشن صد سالہ کی تفصیل بھی بتائی اور روسی اہل علم کو اس بین الاقوامی غالب مذاکرے میں شرکت کی دعوت دی جو ۱۹۶۹ء میں منعقد ہوگا۔ پروفیسر فاروقی کو چانسلر اور وائس چانسلر دونوں نے یقین دلایا کہ جہاں تک ماسکو یونیورسٹی کا تعلق ہے وہ اردو کے ذریعہ اس بین جامعاتی تعاون کو عملی شکل دیں گے اور غالب کے جشن صد سالہ میں بھی ماسکو یونیورسٹی پورا حصہ لے گی۔

پروفیسر فاروقی نے ڈاکٹر غفوروف سے بھی ملاقات کی جو ماسکو کے ایشیائی علوم کے ادارے کے ڈائرکٹر ہیں۔ انھوں نے بھی یقین دلایا کہ وہ غالب سے متعلق ایک صحیفۂ یادگار کی اشاعت کا سر و سامان کریں گے۔

پروفیسر فاروقی نے جشن غالب کے سلسلے میں دو تقریریں بھی اردو اور انگریزی میں ماسکو ریڈیو سے نشر کی ہیں۔ اور ممتاز اہل علم سے مل کر بھی جشن غالب کو کامیاب بنانے کی درخواست کی ہے۔

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی ماسکو اور لینن گراڈ کے قیام کے بعد تاشقند پہنچ گئے ہیں جہاں وہ ڈاکٹر شاہ اسلام شاہ محمودوف سے مل چکے ہیں۔ امید ہے کہ جشن غالب کے سلسلے میں دو کمیٹیاں بن جائیں گی ایک ماسکو میں اور دوسری تاشقند میں۔ کابل یونیورسٹی میں ڈاکٹر احمد جاوید سے بھی امداد کی توقع ہے۔　(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے ریلیف فنڈ میں ۵ سو روپے دیے

حیدرآباد۔ یکم مئی۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے بہار ریلیف فنڈ کمیٹی کو ۵ سو روپے سوکھے سے متاثر لوگوں کی امداد کے لیے دیے ہیں۔

(ساقی پٹنہ)

شیکسپیر کی برسی

نئی دہلی۔ برطانوی اطلاعاتی سروس نے اطلاع دی ہے کہ پچھلے ہفتہ کے اختتام پر شہرۂ آفاق انگریزی شاعر اور ڈرامہ نگار شیکسپیر کی ۴۰۳ سالہ برسی کے موقع پر ان کی جائے ولادت اسٹرٹ فورڈ۔ اپان۔ ایون کے ایک جلوس میں ۸۰ سے زائد ممالک کے جس میں ہند بھی شامل ہے سفارتی نمائندوں نے اپنے ملکوں کے پرچم لہرائے۔ ہند کی نمائندگی لندن کے ہائی کمیشن کے ایک افسر مسٹر اے۔ ایچ۔ قدوائی نے کی۔　(قائد لکھنؤ)

بچوں کی کتابوں کی بین الاقوامی نمائش

نئی دہلی۔ آل انڈیا فائن آرٹس اینڈ کرافٹس سوسائٹی کی گیلری میں بچوں کی ایک بین الاقوامی نمائش منعقد کی جا رہی ہے۔ اس میں تقریباً تین سو ایسی کتابیں شامل ہیں جنھیں سوویت یونین میں، روسی، انگریزی اور کئی دوسری زبانوں میں شائع کیا گیا ہے۔

اس نمائش کے انعقاد کا اہتمام بچوں کی کتابوں کے ٹرسٹ نے کیا ہے۔ ۲۶ اپریل کی شام کو ہندوستان کے نائب وزیر اعظم مسٹر مرارجی ڈیسائی نے اس کا افتتاح کیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک رنگا رنگ تقریب کا انتظام کیا گیا تھا جس کی صدارت کے فرائض بچوں کی کتابوں کے ٹرسٹ کے چیرمین جمہوریۂ ہند کے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے انجام دیے۔

بچوں کے لیے سوویت کتابیں، ممتاز ادیبوں کی لکھی ہوئی مختلف موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو بچوں کے لیے مفید ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور، پریم چند اور یشپال جیسے ہندوستانی مصنفین کی تصنیفات بھی ان میں شامل ہیں۔ روسی زبان میں "رامائن" بھی نمائش میں پیش کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین اور مسٹر مرارجی ڈیسائی دونوں ہی نے بچوں کی کتابوں کے ٹرسٹ کی مناسب تعریف کی اور ادیبوں سے اپیل کی کہ وہ بچوں کے لیے زیادہ سے زیادہ ایسی کتابیں تصنیف کریں جو مستقل نوعیت کی حامل ہوں۔

اس نمائش میں چھ سو ہندوستانی مطبوعات رکھی گئی ہیں، ان میں چالیس کتابیں ایسی ہیں جنھیں بچوں کے بک ٹرسٹ نے شائع کیا ہے۔ نمائش میں مجموعی طور پر ساڑھے تین ہزار کتابیں دکھائی گئی ہیں جن کا تعلق پینتیس ملکوں سے ہے۔ نمائش ۶ مئی ۱۹۶۹ء تک کھلی رہے گی۔ سوویت یونین، امریکہ، برطانیہ، کناڈا، فرانس، جرمن جمہوری ری پبلک، مغربی جرمنی، ہندوستان، ہنگری، پولینڈ، چیکو سلاواکیہ، رومانیہ، بلغاریہ، فن لینڈ، جاپان، ناروے، یونان، آسٹریا، اٹلی اور دیگر ممالک نمائش میں شریک ہیں۔

علمی مجلس دلّی کی پیش کش

علمی مجلس دلّی کے سلسلۂ مطبوعات کی پہلی کتاب۔ شعرائے اردو کا ایک قدیم تذکرہ "گلشن ہند" مؤلفہ سید حیدر بخش حیدری، ابھی شائع ہو گئی ہے۔ اسے پہلی مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے برٹش میوزیم اور باڈلین لائبریری اوکسفورڈ کے نسخوں کی مدد سے مرتب کر کے شائع کی ہے قیمت پانچ روپے ملنے کا پتا: مکتبۂ جامعہ اردو بازار دہلی

مفت اردو تعلیم کا انتظام

نرمدی جونیر ہائی اسکول بلوچپورہ لکھنؤ میں ہر مذہب و ملت کے لیے بوقت شب یکم مئی سے مفت اردو زبان سیکھنے کے لیے عمدہ بندوبست کیا گیا ہے جو کاروباری و غیر کاروباری حضرات کے لیے سنہری موقع ہے۔ (رہبر)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

ہمزہ کیوں؟

(۲)

اسی طرح جینا، سینا وغیرہ۔
کرنا سے کیا، کیے۔
(یاے مجہول) لینا سے لیا، لیجے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

۳۶۰۔ اسی طرح وہ تمام افعال جن کے مادۂ فعل مصمتے پر ختم ہوں، مثلاً بیٹھ، لکھ، سن، دیکھ، ان کی محولہ بالا تصریفی صورتوں میں ہمزہ کے استعمال کا محل نہیں، اس لیے کہ ان میں دو مصوتوں کے ساتھ ساتھ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۶۱۔ ہمزہ کا استعمال امر میں بھی ہوتا ہے، مثلاً جمع مخاطب جاؤ، کھاؤ، آؤ، لیکن املا کی گڑبڑ زیادہ تر امر تعظیمی کی صورتوں میں ہوتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ امر تعظیمی کے لیے مادۂ فعل کے بعد اِیے /iye/ بڑھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: اٹھ /uth/ جمع /iye/ بنا اٹھیے /uthiye/۔ اس میں دو مصوتوں کا جوڑ سرے سے ہے ہی نہیں تو پھر یہاں ہمزہ کا استعمال کیا معنی؟ چنانچہ اٹھ سے اٹھئے غلط ہے اور اٹھیے صحیح ہے، اسی طرح

بیٹھ ۔ بیٹھئے ۔ ۔ ۔ بیٹھیے ۔ ۔
لکھ ۔ لکھئے ۔ ۔ ۔ لکھیے ۔ ۔
سن ۔ سنئے ۔ ۔ ۔ سنیے ۔ ۔
چاہنا ۔ چاہئے ۔ ۔ ۔ چاہیے (جمع چاہییں) صحیح ہے۔

علیٰ ہذا القیاس۔

۳۶۲۔ اب اُن افعال کے امر تعظیمی کو لیجیے جو مصمتوں پر نہیں بلکہ مصوتوں پر ختم ہوتے ہیں:

(الف) آنا، جانا، فرمانا وغیرہ۔ آ /ā/ جمع اِیے /iye/ بنا آئیے /ā+iye/۔ واضح رہے کہ یہاں دو مصوتے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں، اس لیے ہمزہ کا استعمال ضروری ہے، یعنی آئیے، جائیے، فرمائیے میں ہمزہ لکھا جائے گا۔

(واؤ) سونا، رونا، دھونا وغیرہ۔ سو /so/ جمع اِیے /iye/ بنا سوئیے /so+iye/۔ پہلی مد کی طرح یہاں بھی دو مصوتے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں، اس لیے ہمزہ کا استعمال ضروری ہے، یعنی سوئیے، دھوئیے وغیرہ۔

(یاے معروف اور مجہول) پینا، سینا، لینا، دینا، کرنا (مادہ کر کے علاوہ کی) قاعدہ یہ ہے کہ ی /ī/ یا ے /e/ پر ختم ہونے والے مادوں کے ساتھ اِیے /iye/ نہیں ملایا جا سکتا اور ان کے بیچ میں تلفظ کی سہولت کے لیے ج /j/ بڑھا دیا جاتا ہے، یعنی پینا سے پی /pī/ + جیے /jiye/ بنا پیجیے /pījiye/؛ اسی طرح سیجیے /sījiye/، لیجیے /lījiye/، دیجیے /dījiye/، کیجیے /kījiye/۔ ظاہر ہے کہ ان تمام الفاظ میں دو مصوتوں کا جوڑ نہیں ہے، اس لیے ان میں ہمزہ کا استعمال غلط ہے یعنی انھیں پیجیے، سیجیے، لیجیے، دیجیے، کیجیے لکھنا چاہیے۔ اُردو میں ہمزہ کے استعمال میں سب سے زیادہ بے احتیاطی امر تعظیمی کی انھیں مندرجہ بالا صورتوں میں برتی جاتی ہے۔

۴۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ دیسی الفاظ میں صرف افعال میں ہمزہ استعمال ہوتا ہے؛ اسما اور اسماے صفت میں بھی جہاں تلفظ میں دو مصوتے ساتھ ساتھ آئیں گے، اس لفظ کو ہمزہ سے لکھا جائے گا، مثلاً لکھنؤ، کیکئی، بھیرائیں؛ نیا سے نئی؛ نائی، بھائی، گہرائی، لمبائی وغیرہ۔

۵۔ مستعار الفاظ: ہمزہ سے لکھے جانے والے وہ الفاظ جو اُردو میں مستعمل ہیں، ان میں اچھی خاصی تعداد ان الفاظ کی ہے جن کے آخر میں یاے معروف ہے اور جن کے آخری صوتی رکن سے پہلے الف ہے، یعنی جن میں /ā/ اور /ī/ دو مصوتوں کا جوڑ ہے، مثلاً (اسما) آشنائی، رسوائی، گیرائی، رونمائی، شنوائی، شکیبائی، کج ادائی، جدائی، خودستائی، خودنمائی، سرخروئی، رعنائی، دانائی، دلجوئی، نغمہ سرائی، رسائی، دائی، یکجائی، یکتائی، شیدائی، خدائی، پذیرائی، بینائی، بے وفائی، بے نوائی، بے حیائی، شناسائی وغیرہ۔

(اسماے صفت) آبائی، سودائی، گرمائی، سرمائی، انتہائی، صحرائی، تماشائی، حنائی، وغیرہ۔

باقی الفاظ میں دو مصوتوں کے ساتھ ساتھ آنے اور ہمزہ سے لکھے جانے والے الفاظ کی کچھ مثالیں یہ ہیں:

(الف کے بعد ابتدائی) آئین، آئندہ، آئینہ، آئمہ۔

(عین سے پہلے آخری) مسائع، بدائع، ضائع، وقائع، ذرائع۔

(وسطی) شائستگی، پائیدار، جزائر، شرائط، حقائق، جائز، عائد، مسائل، ہیئت، تائید، پائجامہ، طاؤس، طوائف، زائد، جائیداد، جرائد، رائگاں، جرائم، طائر، غائب، فائدہ، زائچہ، دائرہ، ذائقہ، تائب، خائف، انشائیہ، فائق، فضائل، عقائد، قبائل، قائل، قصائد، قائم، کائنات، مشئن، مائوف، کوائف، نائب، صائب، دائر، وظائف، عجائب، مؤنث، مؤرخ، متاثر، مؤلف، مؤثر۔

فارسی حاصل مصدر آزمائش، فرمائش، ستائش، آرائش کو اُردو میں ہمزہ سے لکھنے کا رواج ہے۔ یہ الفاظ از روے اصل یِ سے ہیں، لیکن اُردو میں ان کا تلفظ نیم مصوتہ یِ سے نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے معاملے میں اصل کی نہیں، بلکہ استعمال کی پیروی کرنی چاہیے۔ یوں بھی اُردو میں قاعدہ ہے کہ نیم مصوتہ یِ صرف اس حالت میں اپنی

آواز کو برقرار رکھتا ہے جب اس سے پہلے کسرہ ہو (مثلاً کیے، لیے، دیے، چاہیے، کیجیے؛ ملاحظہ ہو پیراگراف ۲۶۳)، جبکہ مندرجہ بالا الفاظ میں ایسا نہیں ہے۔ ان میں الف کے بعد وہی آواز نکل رہی ہے جو غائب، تائب، نائب وغیرہ میں ہے۔

۵۶۱۔ ان تمام الفاظ میں جہاں دو مصوتے ساتھ ساتھ آتے ہیں، ان کے بیچ میں ہمزہ لگتا ہے۔ البتہ مسئلہ اور جرأت اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں۔ جرأت میں ہمزہ صرف ایک مصوتے کے لیے آتا ہے، مسئلہ میں ہمزہ بجائے خود صوتی رکن ہے۔ میری نظر میں یہ اردو میں استعمال ہونے والا واحد مستعار لفظ ہے جس میں ہمزہ الگ سے صوتی رکن ہونے کی وجہ سے حلقی بندش یعنی کھٹکے (GLOTTAL CATCH) کے ساتھ ادا ہوتا ہے یعنی مصمتے کے طور پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس سے اردو کے عام صوتیاتی نظام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۵۶۲۔ مفرد الفاظ میں وسطی حالت میں ہمزہ کبھی فتح کے ساتھ (مثلاً مؤنث، مؤثر، متأثر، مؤرخ، مؤلف، ہیئت) اور اکثر کسرہ کے ساتھ آتا ہے، مثلاً غائب، جائز، فائدہ، کائنات، آئندہ، عجائب، جرائد، رائگاں، وظائف، حقائق، زائد، صائب، تائب وغیرہ۔ فتح کی آواز تو وہی [ə] کی رہتی ہے جیسے چل، پل، کل میں، لیکن کسرہ کا امالہ ہو جاتا ہے اور ان تمام الفاظ میں کسرہ بطور [i] یعنی دل، بل، سل کی درمیانی آواز کی طرح نہیں بلکہ فتحہ مائل کسرہ یا کھل کر ادا ہونے والی آواز [ɛ] کی طرح بولا جاتا ہے۔

۶۔ ہمزہ کا قاعدہ ہے کہ اگر یہ صوتی رکن کے آخر میں آتا ہے تو یہ یا تو واؤ پر لکھا جاتا ہے (جاؤ، کھاؤ) یا ے پر لگایا جاتا ہے (آئے، جائے) اور یا ی پر لکھا جاتا ہے (آئی، پائی، رسائی، شناسائی)۔ آخری دونوں صورتوں میں ضروری شوشے کا استعمال ہوتا ہے۔ واؤ پر لگنے والا ہمزہ خواہ وہ لفظ کے بیچ میں ہو، خواہ آخر میں، ہمیشہ اپنی حالت پر برقرار رہتا ہے۔ الف اور واؤ کے بعد آنے والا ہمزہ بعض لفظوں میں شوشے کے ساتھ اور بعض میں اس کے بغیر لکھا جاتا ہے (آئیں، جائیں، جرائم، جائز، جرائد، روئیں، مؤنث، مؤرخ، متاثر، مؤلف)۔

۷۔ اضافت: ہمزہ کے استعمال میں بے احتیاطی کی بعض مثالیں اضافت کی ذیل میں آتی ہیں۔ چنانچہ نیچے اضافت کے اصول مختصراً پیش کیے جاتے ہیں:

۷۶۱۔ اگر مضاف ہائے مختفی پر ختم ہو تو اضافت ہمزہ سے لکھی جائے گی، مثلاً جذبۂ دل، آلۂ کار، نالۂ دل، پایۂ تخت، بازیچۂ اطفال، تزکیۂ نفس، سانحۂ دردناک، مایۂ ناز، چشمۂ آب، خانۂ خدا، واقعۂ شب، منارۂ عظمت، گنبۂ غالب، غمزۂ دلربا، بادۂ ناب، شبہۂ جائز، غصۂ غم، حوالۂ کار، سنۂ اشاعت؎۔

۷۶۲۔ اگر مضاف کے آخر میں ح آئے یا آخری ہ سے پہلے طویل مصوتہ ہو یا ہ کی آواز تلفظ میں سنائی دیتی ہو تو اضافت زیر سے ظاہر کی جائے گی۔ مثلاً وجوہِ غدر، شبیہِ غالب، توجیہِ نادر، روحِ نو، نگاہِ ناز، شبیہِ حسن، کوہِ سلیمان، صبحِ وطن، فتحِ شام، وجہِ جواز، تہِ دل۔

۷۶۳۔ اگر مضاف آخر میں الف یا واؤ پر ختم ہو تو اضافت یائے مجہول سے لکھی جائے گی، مثلاً صلائے عام، آرزوئے عشق، دریائے غم، اجزائے ترکیبی، روئے سخن، دعائے مغفرت، صدائے دل، نوائے ادب، دانائے راز، دنیائے اردو، ایفائے وعدہ، بازوئے قاتل، بوئے گل، بقائے دوام، سوئے وطن، خلفائے اسلام، مقتضائے حال۔

۷۶۴۔ اگر مضاف یائے معروف پر ختم ہو تو اضافت کسرہ سے ظاہر کی جائے گی، مثلاً تنگ ظرفیِ منصور، والیِ ریاست، رعنائیِ خیال، یکتائیِ معشوق (رعنائی، یکتائی میں ہمزہ اصل لفظ کا حصہ ہے، اضافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں)۔

۷۶۵۔ اگر مضاف یائے مجہول، بعد الف پر ختم ہو تو اضافت کے لیے نہ ہمزہ لگے گا نہ کسرہ۔ اس لیے کہ اضافت کی آواز اور یائے مجہول کی آواز تقریباً ایک ہے اور دونوں کا انضمام ہو جاتا ہے۔ اردو میں ایسے الفاظ کی تعداد زیادہ نہیں، تنگنائے غزل، آبنائے بلوچستان، رائے عالی (لفظ "رای" کی اردو میں تارید ہو چکی ہے، ملاحظہ ہو: رائے چند، رائے بھولا ناتھ، رائے صاحب فلاں)۔ وہ الفاظ جن میں یائے مجہول الف کے بعد نہ ہو، بلکہ ماقبل مفتوح ہو، مثلاً پے، مے، ان کا معاملہ مختلف ہے۔ ان کی آخری آواز /ae/ اور اضافت کی /e/ میں انضمام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے الفاظ کو کسرہ سے مضاف کرنا چاہیے: پےِ مغفرت، مےِ ہوش ربا، شےِ لطیف۔

۷۶۶۔ اگر مضاف ہ کے علاوہ کسی بھی مصمتے پر ختم ہو تو اضافت ہمیشہ کسرہ سے لکھی جائے گی، مثلاً وصلِ زنگار، رخِ آئینہ، قدرِ شوق، آئینِ نو، محبانِ اردو، کارِ جواں مرداں، جانِ ناتواں، حسنِ توبہ شکن، دلِ دردمند، رخِ زیبا، دردِ دل وغیرہ۔ اسی طرح شیخِ وشنا، ریخِ شرر۔

؎ اس لفظ کا عوامی تلفظ مسلہ ہے جس پر جناب ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے بھی صاد فرمایا۔ لیکن دہلی کے تعلیم یافتہ طبقے کی محتاط بول چال میں میں نے اس لفظ کو اکثر خفیف سی حلقی بندش یعنی صوتی کھٹکے کے ساتھ سنا ہے۔

؎ سنِ اشاعت غلط ترکیب ہے کیونکہ سن بمعنی عمر ہے سہ

برس چودہ یا کہ پندرہ کا سن — جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نیز سنِ تمیز، کم سن۔

(باقی)

آسرا

خلیل تنویر

میری حیات کے جوان سال
غبار بن کے کھو گئے
میری دھنک سی پُر فریب حسرتیں
قتیلِ زندگی بنے
لہو کی راہ میں ٹھہر ٹھہر کے لٹ گئیں
امید کے چراغ جھلملا کے رہ گئے
جمالِ شاہدِ گیتی نفرت سے ڈھل گیا
موت کی نشیلی خامشی لیے ہوئے
خیالِ خودکشی مچل مچل گیا
مگر میں ظلمتوں کی راہ میں مرا نہیں
نہ جانے کس خیال کی کرن نے آسرا دیا
میرے لبوں پہ گیت مسکرا اٹھے
میں زندگی کی سرمئی لطافتوں میں کھو گیا۔

یاد

اکبر حفیظ راہی

دودھیا چاندنی کے آنچل سے
جس طرح چاند مسکراتا ہے
جس طرح دور بیٹھ کے میں کوئی
نوجواں بانسری بجاتا ہے
یا کوئی آبشار وادی میں
حسنِ فطرت کے گیت گاتا ہے
اس طرح تیری یاد کا سپنا
پھر تصور میں جھلملاتا ہے
اور راہی کبھی کبھی اب بھی
دل کے تاروں کو چھیڑ جاتا ہے

جمود

حسام الدین سلیم

بدل گیا ہے مذاق اس قدر زمانے کا
کسی کے درد کا احساس اب کسی کو نہیں
کسی کے غم کا مداوا کسی کے بس میں نہیں

تعبیر

رات بھر ہم نے خواب دیکھا ہے
وہ جو برسوں سے دیکھتے آئے
جس کی تعبیر صرف دھوکا ہے

بزمِ اردو دیارِ حبیب میں

میں اکتوبر ۱۹۹۲ء میں سعودی گورنمنٹ کے اسکالرشپ پر مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہوا یہاں قدم رکھتے ہی عربی بول چال، عربی معاشرہ اور عربی علم و ادب سے واسطہ پڑا، لیکن یہ دیکھ کر حیرت انگیز مسرت ہوئی کہ دیارِ حبیب میں ہماری محبوب زبان "اردو" بھی محبوبیت کی حد تک رائج ہے اور تقریباً ہر طبقے پر اچھا خاصا اثر رکھتی ہے اس کی باضابطہ کوئی انجمن یا مجلس نہیں تھی گذشتہ سال سید احمد مدنی نامی ایک خوش فکر نوجوان نے باضابطہ ایک انجمن "بزمِ اردو" کی بنیاد رکھی موصوف کی والدہ چونکہ لکھنوی ہیں اس لیے فطری طور پر ان کو مادری زبان سے محبت ہے۔

یوں تو بزمِ اردو کی ہر مجلس کامیاب رہتی ہے خاص کر ایسے موقع پر جبکہ سعودی عرب کے دوسرے شہر مکہ مکرمہ، ریاض، جدہ، ظہران وغیرہ سے اردو داں حضرات جمع ہو گئے ہوں یا موسم حج میں ہندو پاک سے اہلِ ذوق آئے ہوئے ہوں تو گلشنِ اردو میں بہار آجاتی ہے اس مبارک موقع پر بزمِ اردو کے تحت مجلسِ مشاعرہ کا انتظام کیا گیا بڑی تعداد میں شعراء اور اہلِ ذوق جمع ہوئے اس مجلس کی صدارت جناب پروفیسر اختر حسین زیدی صاحب نے فرمائی زیدی صاحب نے لندن اور علی گڑھ میں تعلیم پائی اور وہیں لکچرار اور ریڈر سے ترقی کرکے پروفیسر ہوئے اب ریاض یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

حافظ عبدالحفیظ کی دلنشیں تلاوت کلام پاک سے مجلس کا آغاز ہوا اس کے بعد جناب غلام قادر صاحب سرپازی نے ایک مقالہ پڑھا پھر محمد یعقوب صاحب آزاد نے رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا عید اور عربی کی فضا کی مناسبت سے "ترانۂ عید" عربی زبان میں حافظ عبدالحفیظ وحید ارشد نے پڑھا۔ پھر مشاعرہ کا طرحی دور شروع ہوا مصرعِ طرح تھا۔

اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے۔　　غالب

جس میں خالد کمال مبارکپوری، صابر حسین شہید قاسمی، محمد لقمان صاحب انجم اور بانی بزمِ اردو مجلسِ مشاعرہ جناب سید احمد مدنی نے اپنی غزلیں پڑھیں۔ مشاعرہ کے غیر طرحی دور میں شاعر جناب آزاد، جناب خلیل، جناب عطا، جناب سوختہ نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ بنگلہ زبان کے مشہور شاعر جناب جمیل احمد صاحب نے بھی جنہوں نے اب اردو میں شاعری کا آغاز فرمایا ہے ان کے دو شعر جنہیں کافی پسند کیا گیا یہ ہیں۔

ہم ترقی اردو کے لیے گر خوب کوشش کریں
دیکھے گا زمانہ کوشش ہماری ایک دن منزل پہ ہے
فروغِ اردو کے لیے یہ اجتماع ہے خوب جمیل
حجاز میں بزمِ اردو آج مدنی منزل میں ہے

(جمیل احمد القاسمی۔ مدینہ یونیورسٹی مدینہ)

سید فضل المتین

شاگردِ مومن

میر کرامت علی ــــ خلش اجمیری

حالات اجمیر کی تاریخ ادب میں خلش اجمیری کی شاعرانہ حیثیت مسلم ہے یہ اپنے وقت کے ایک اہم نامور اور معروف شاعر گذرے ہیں۔ ان کے متعلق مولانا خواجہ حسن اجمیری تحریر فرماتے ہیں۔

"میر کرامت علی، خلش (تقریباً) ۱۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے حاجی قدرت اللہ کشمیری اور حکیم محمد حسن امروہوی[1] سے متوسط علوم درسیہ کی تعلیم پائی۔ حضرت مولینا شاہ نیاز احمد[2] کے خلف و خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین حسن سے بیعت ہوئے۔ ابتدائی کلام حکیم مومن خاں مومن کو دکھایا اور ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد رشید مولوی ابوالحسن، ساکت[3] امروہوی کی شاگردی اختیار کی۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ کو وفات پائی"

(از۔ تذکرہ شعرائے اجمیر)

نمونۂ کلام۔

اب اسے شورِ قیامت بھی جگا سکتا نہیں
یہ مری تربت ہے ان کی ٹھوکریں کھائی ہوئی

ہیں ہمارے واسطے خلوت میں جلوت کے مزے
آگیا ان کا تصور اور تنہائی ہوئی

کوچہ میں غیر کے بھی تو جی لگ گیا مرا
یہ کس بلا کا انس تری رہگذر سے ہے

اے دستِ شوق اب تری خیرت کہاں گئی
لپٹی ہوئی وہ تیغ کسی کی کمر سے ہے

مجھے ان سے باتیں بنانی پڑیں
شکایت سے پہلے، شکایت کے بعد

چھیڑ منظور ہے جو بسمل سے
زخم بھی ہنس رہے ہیں قاتل سے

تعلق ہی نہیں باقی تو پھر میری شکایت کیوں
تمہیں مطلب نہیں مجھ سے تو پھر میری حکایت کیوں

---

[1] حکیم محمد حسن امروہوی

حکیم محمد حسن امروہوی کے متعلق پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی مستند تالیف "تاریخ مشائخ چشت" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا سید محمد حسن صاحب (۱۳۲۳ھ - ۱۲۴۹ھ) جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ فلسفۂ مشائیہ اور علوم عقلیہ میں مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے علوم نقلیہ حدیث و تفسیر و فقہ میں مفتی صدر الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم الطب حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ عرصہ تک گورنمنٹ کالج اجمیر میں عربی فارسی کے پروفیسر رہے۔ آخر زمانہ میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجمیر میں مطب کرنے لگے تھے۔ اپنے وطن امروہہ میں وصال فرمایا۔

حکیم صاحب نے کتب سماوی کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا تھا۔ انجیل و زبور پر کامل عبور تھا۔ علم تصوف سے خاص دلچسپی تھی۔ وحدت وجود کے قائل تھے اور حضرت امام کبیرؒ کے خیالات کی وضاحت اپنی تصانیف میں کی ہے۔

مدت العمر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا۔ ان کی اہم باشان تصنیف تفسیر القرآن ہے جو ۱۲۹۵ھ میں مطبع میرحسن دہلوی سے "تفسیر حضرت شاہی معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار" کے نام سے فارسی زبان میں شایع ہوئی تھی پھر دوبارہ اردو زبان میں "غایت البرہان فی تاویل القرآن" (ہم نوٹ کالم اکا) کے نام سے چھپی۔ ان کی دیگر تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ کواکب موریہ ــ (سید المطابع امروہہ)
۲۔ معراج رسول ــ (مطبع دبدبۂ سکندری)
۳۔ اتمام حجت اسلام در شرح کتاب دانیال علیہ السلام (پرنٹنگ کمپنی اجمیر شریف)
۴۔ حقانیت اسلام (مطبع رضوی دہلی)
۵۔ تلخیص التواریخ ملقب بہ معراج دلکش۔ (مطبع مطلع العلوم اخبار نیر اعظم مراد آباد)
۶۔ رسالۂ آگہی نامہ (مطبع چراغ راجستھان۔ اجمیر)
۷۔ درنایاب (" " ")
۸۔ گنجینۂ اسرار انبیاء (مطبع تاج پرنٹنگ کمپنی۔ اجمیر)
۹۔ کشف الاسرار (مطبع دارالعلوم۔ میرٹھ)
۱۰۔ گنجینۂ حکمت در شرح فصوص الحکم حضرت شیخ اکبرؒ (نولکشور۔ لکھنؤ)
۱۱۔ آفتاب عالمتاب۔ (مطبع عالمتاب، مطبع میرحسن رضوی دہلی)

حکیم صاحب نہایت منکسرالمزاج اور سادہ وضع بزرگ تھے۔ مباحثہ کبھی نہ کرتے تھے"

(تاریخ مشائخ چشت۔ صفحات ۶۹۸-۶۹۹)

باقی صفحہ ۲۲ پر

عدو کے سامنے جھینپے ہوئے ہو
خلش کے سامنے اترا رہے ہو

وہ دل میں آئے تھے خلوت سمجھ کر
ہجوم شوق سے گھبرا رہے ہیں
(از "تذکرہ شعرائے اجمیر")

انتخاب کلام۔

آئے ہیں یوں تو روز ہی گھر سے رقیب کے
یہ شکر ہے کہ آج پشیماں نہیں ہیں آپ
سب باتیں سن چکا ہوں میں بزم رقیب کی
مجھ کو ندامتیں ہیں پشیماں نہیں ہیں آپ
یہ آج کیا ہے کہئے تو اے حضرت خلش
کچھ ناامیدیوں سے ہراساں نہیں ہیں آپ
(از "تذکرہ شعرائے اجمیر")

یہ باتوں باتوں میں تم نے کہا کیا؟
سنوں میں بھی تو پھر کہنا ذرا کیا
خلش اور اس کا اب کوئی دل دیا ہے
مگر اب دیکھیں کرتا ہے خدا کیا؟
(پیام یار[1]۔ مارچ ۱۸۸۶ء)

بزم اغیار میں بلواتے ہیں وہ مجھ کو خلش
کس کی شامت ہے جو وہاں جائے گا جلنے کے لیے
(پیام یار۔ جولائی ۱۸۸۶ء)

آپ اقرار کبھی کرتے ہیں انکار کبھی
بات کچھ ایک ٹھہر جائے نہیں۔ ہاں، کوئی
(انتخاب مشاعرہ اجمیر ۱۸۸۸ء از حکیم جگر صدیقی وارثی بسوانی۔ مطبوعہ "عالمگیر" سالنامہ ۱۹۳۴ء)

شکر کو دوں ایک شکایت پہ سنا دیتے ہیں
کچھ محبت ہو تو شکوے بھی مزا دیتے ہیں
دوستوں سے کہیں کیا اون سے نہ ملنے کا سبب
جب بگڑتی ہے تو کچھ بات بنا دیتے ہیں
شیخ جی سب کو بتاتے ہیں خدا کا رستہ
اپنے معشوق سے ہر اک کو ملا دیتے ہیں
لاگ سمجھے ہوئے ہے کوئی، لگاوٹ کوئی
دھوکے کس کس کو تری ناز و ادا دیتے ہیں
اون سے ملنے کا مزا اس کے سوا کیا ہے خلش
ہم تو دشمن کو بھی جینے کی دعا دیتے ہیں
("گلشن داغ"[2]۔ اگست ۱۸۹۵ء)

(باقی نوٹ صفحہ ۶ کا) [3] حضرت مولینا شاہ نیاز احمد نیاز؟

معروف "صاحب دیوان" شاعر اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ۔ نظامیہ چشتیہ سلسلہ کی "نیازیہ" شاخ آپ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

[4] مولوی ابوالحسن ساکت امروہوی۔

ساکت امروہوی کے لیے مولینا خواجہ حسن اجمیری اپنی ایک "بیاض یادداشت" برائے "تذکرہ شعرائے اجمیر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مولوی ابوالحسن، ساکت۔ مومن کے شاگرد تھے۔ امروہہ کے رہنے والے تھے، بہت پرگو شاعر تھے، مزاج کا بہت شوق تھا۔ خلش اجمیری کے استاد ہیں۔"

اور صاحب "تحفۃ التواریخ" تحریر فرماتے ہیں۔

"سید ابوالحسن متخلص بساکت، ناطقہ زکیہ و ذکا کہ تو یہ سیدارد در استعارہ وکنایہ وہم در صنائع و بدائع شعریہ علماً و عملاً بی بدل است و اوستاد اکثر شعرای با امتیاز است و محاورہ پاکیزہ شعرای دہلی سیدارد و در اکثر اہم معاصرین در شعر گوئی ہمتائے ندارد و مولوی سید عبداللطیف بن سید عبدالقادر تحصیلات علوم کردہ قریب فراغ است وہم طبیب مستعد و خصائل پسندیدہ دارد و در مدرسہ حضرت اجمیر مدرس است۔

(از تحفۃ التواریخ صفحہ ۶۴۔ تالیف مولانا سید محمد آل حسن مودودی امروہوی)

[5] "تذکرہ شعرائے اجمیر"

ایک عرصے سے میں اس نامکمل تذکرہ (مولفہ مولینا خواجہ حسن اجمیری) (باقی نوٹ کالم (۱)) کی ترتیب و تدوین میں لگا رہا ہوں۔

[1] پیام یار۔

پیام یار (لکھنؤ) کا مشہور ماہانہ گلدستۂ سخن۔ اس کے کئی ایک شمارے میرے یہاں "معین کتب خانہ" میں محفوظ ہیں۔ شمارہ مئی اور جون ۱۸۸۵ء کا ذکر "اردو ادب" شمارہ (۲) اور جولائی و اکتوبر ۱۸۸۵ء کا ذکر "اردو ادب" شمارہ (۱) ۱۹۶۶ء میں کر چکا ہوں۔

[2] گلشن داغ۔

"گلشن داغ" کے لیے ملاحظہ ہو میرا مراسلہ "گلشن داغ" مطبوعہ "ہماری زبان" یکم جنوری ۱۹۷۳ء اور رشید حسن خاں کا مراسلہ "گلشن داغ" مطبوعہ "ہماری زبان" ۲۲ مارچ ۱۹۷۳ء۔

مراسلہ

سردار جعفری کی ایک غزل کے وزن کا مسئلہ!

ہماری زبان شمارہ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۶ء میں انجمن آرا انجم (ریسرچ اسکالر) کا ایک مراسلہ شائع ہوا۔ اس میں محترمہ نے سردار جعفری کی ایک غزل کو تقطیع کرکے خارج الوزن قرار دیا ہے۔ اور دوسرا اعتراض کیا ہے کہ اس غزل میں زیادہ تر ارکان بحر متقارب کے استعمال ہوئے ہیں لیکن اصولی طور پر اس کے ارکان کی ترتیب کو شاعر برقرار نہیں رکھ سکا۔

سردار جعفری کی زیر بحث غزل کا مطلع یہ ہے:

وہی ہے وحشت وہی ہے نفرت، آخر اس کا کیا ہے سبب
انساں انساں بہت رٹا ہے انساں انساں ہے گا کب

انجمن آرا نے اس کی تقطیع اس طرح کی ہے:

وہی ہ وحشت وہی ہ نفرت آخر اس کا کیا ہ سبب
فعولُ فعلن فعولُ فعلن فعلن فعلن فعلُ فعل
انسا انسا بہت ر ٹا ہے انسا انسا ہے گ کب
فعلن فعلن فعولُ فعلن فعلن فعلن فعول فع

مندرجہ بالا تقطیع کرنے میں تھوڑی سی غلطی ہوئی ہے۔ ذرا غور کیجئے! اس کی صحیح تقطیع نیچے کی سطروں میں دی جاتی ہے۔

وہی ہے وحشت وہی ہے نفرت آخر اس کا کیا ہے سبب
فعولُ فعلن فعولُ فعلن فعلن فعلن فعلن فاع
انساں انساں بہت ر ٹا ہے انساں انساں ہے گ کب
فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع

انجمن آرا انجم تقطیع تو صحیح طور پر نہیں کرسکیں، لیکن ان کا یہ اعتراض اپنی جگہ درست ہے کہ "اس غزل میں زیادہ تر ارکان بحر متقارب کے استعمال ہوئے ہیں، لیکن اصولی طور پر اس کے ارکان کی ترتیب کو شاعر برقرار نہیں رکھ سکا"

یعنی جعفری صاحب کو چاہئے تھا! پہلا مصرع جن ارکان میں موزوں کیا ہے "بالترتیب انھیں ارکان میں" باقی تمام مصرعے بھی موزوں کیے جاتے جبکہ اس کے برعکس جعفری صاحب کی ساری غزل اس قانون پر بری طرح بدنظمی کا شکار ہے!

پھر ہماری زبان شمارہ ۲۲ مارچ ۱۹۹۷ء میں انجمن آرا کے اس اعتراض پر جناب شفا گوالیاری نے فرمایا "یہ غزل بحر متقارب میں نہیں بلکہ اس بحر کے زحافات میں کہی گئی ہے" پھر آگے چل کر موصوف نے کہا ہے:

"بحر متقارب کا رکن فعولن ہے اور ایک وزن سے ۸ زحافات بنتے ہیں اور انھیں زحافات کے تعلق و مناسبت سے بحر کا نام بدل جاتا ہے متقارب نہیں رہتا۔ مختلف شکلیں بدل کر مختلف نام ہوجاتے ہیں"

شفا صاحب کے اس بیان کو صادر کیا جاتا ہے یعنی ایک بحر متقارب نے آٹھ بحروں کو جنم دیا ہے!

تو پھر ان آٹھ بحروں میں سے کوئی ایک غزل کسی ایک ہی وزن میں ہونا چاہئے! کسی ست رنگے وزن میں نہیں! تمام اساتذہ نے اس راہ میں ایسا ہی کیا ہے! اس طرح شفا صاحب کا اعتراض کا رخ کرنا اکارت جاتا ہے! اور انجمن آرا انجم کا اعتراض اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس بحث میں مثال کے طور پر میر و یگانہ کی جو غزلوں کا وزن بھی شفا صاحب نے کیا ہے۔ اختصار کے سبب میں صرف میر کا شعر مع تقطیع دیتا ہوں۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
فعل فعل فعلن فعلن فعل فعولن فعلن فع
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
فعل فعولن فعل فعولن فاع فعولن فعلن فع

موصوف کا کیا ہوا مندرجہ بالا وزن بھی درست نہیں ہے۔

اصلاً اس کی تقطیع یہ ہے!

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع
*جانے *نہ جانے گل *ہی *نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع

اس وزن میں دوسرے مصرعے کے اندر، بالترتیب پہلے اور دوسرے رکن میں سے اور ہ زحاف میں ہے پھر تیسرے رکن میں ی ہ اور پھر پانچویں رکن میں (ہ) واؤ ہے (میں نے آسانی سے سمجھ میں آجانے کے لیے ایسے تمام ارکان پر ایسا (*) ایک پھول نما نشان لگا دیا ہے!

معلوم ہوتا ہے! محترم شفا صاحب کو علم عروض سے کچھ زیادہ شغف نہیں ہے ورنہ سردار جعفری کی غزل کو صحیح الوزن نہیں کہتے! اور میر کی غزل کا غلط وزن نہیں کرتے۔ ایک بار یگانہ نے اپنی ایک غزل کے بے وزن ہونے کے الزام و اعتراض پر خود وزن کرکے دکھایا تھا جسے اس وقت کسی نے نہیں مانا تھا (وہی وزن و شعر شفا صاحب نے یہاں نقل کیا ہے) دنیا جانتی ہے کہ یگانہ مرحوم اکثر دھاندلی سے کام نکالنے کی کوشش کرتے تھے! اس موقع پر بھی مرحوم نے ایسا ہی کیا تھا!

(وحید آفریدی)

معاصر

ایک اردو دوست کی رائے

اردو کو کیوں نہیں ملک کی زبان کہا جاتا ہے اور کیوں نہیں سب کی زبان کہا جاتا اور کیوں نہیں زور دیا جاتا کہ یہ پورے ملک میں پڑھائی جائے۔

اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری زبان ہے تو ہندو سکھ اور عیسائی کہیں گے کہ یہ ہماری زبان نہیں ہے اور اسے نہیں پڑھنا چاہیے بجائے اس کے کہ اردو کا فائدہ ہوتا۔ بلکہ نقصان ہونے کا اندیشہ ہے جن سنگھ والوں کا کہنا ہے کہ اردو کی طرف دھیان جائے۔

اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم خود اردو کی طرف دھیان دیں اردو کی ترقی پر خرچ ہونے والا روپیہ تو چند جی حضوریے ہی کھا جاتے ہیں اپنے جی حضوریے۔ شاعروں کو بلا کر دو چار غزلیں سن لی جاتی ہیں اور باقی روپیہ شراب و کباب پر خرچ کیا جاتا ہے اور یہ الفاظ خود بھی کسی اردو کے حامی شاعر نے کہے تھے، جسے مشاعرے میں نہیں بلایا گیا تھا ہماچل میں تو آٹے میں نمک کے برابر مسلمان ہیں اور ہماچل کی سرکار نے چھٹی جماعت میں اردو پڑھانے کا حکم دیا ہے وہاں تو صرف ہندوؤں کی اکثریت ہے اور ہندوؤں نے مسلمانوں سے زیادہ اردو کی خدمت کرنے کا ثبوت دیا ہے۔ اردو کے حامی یا اس کے پرستاروں کو چاہیے کہ مشنری سپرٹ کو لے کر جو اردو زبان نہیں جانتے انھیں اردو زبان پڑھانے کی کوشش کریں، مگر اس بات کی کسے ضرورت ہے اردو کے حامی تو صرف اردو کی غزلیں سننے، قوالیاں سننے یا منھ میں پان کی گلوریاں دبا کر قبلہ قبلہ کرنا جانتے ہیں۔

(الجمعیۃ دہلی)

اردو میں درخواست قبول کی جائے گی

جواب بھی اردو میں دیا جائے گا

چنڈی گڑھ۔ ہریانہ کی حکومت نے ضلع اور اس سے نیچے کی سطح پر پنجابی اور ہندی کے ساتھ ہی اردو میں بھی درخواستیں قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان درخواستوں کا جواب بھی انہیں درخواست کی زبان میں دیا جائے گا۔

ابھی تک ہندی اور پنجابی نیز دیوناگری اور گورمکھی رسم خط میں ہی درخواستیں قبول کرنے کا انتظام تھا اس فیصلہ کے مطابق یہی آسانی اب اردو کو بھی دی جائے گی اور ان کے جواب بھی اردو زبان اور اردو رسم خط ہی میں دیئے جائیں گے۔

(پندار)

صرف ہندی میں

یوپی کے نائب وزیر اعلیٰ جناب رام پرکاش نے جو جن سنگھ کے رکن ہیں، یہ ہدایت کی ہے کہ کارکنوں سے ان کے نام جو ہدایت، درخواستیں اور اپیلیں آئیں وہ صرف ہندی میں ہونی چاہئیں یہ ہدایت لسانی تنگ نظری اور ہندی سامراجیت کا بدترین نمونہ ہے اور اس صوبہ میں قائم ہونے والی پہلی غیر کانگریسی وزارت سے جو خوش گمانی بعض حلقوں میں کی گئی تھی اسے ایک قلم ختم کر دینے والی ہے۔ اس ہدایت کا مطلب یہ ہوا کہ ان نائب وزیر اعلیٰ کے نزدیک اس صوبہ میں صرف ہندی جاننے والے ہی بستے ہیں اور انھیں کی درخواستیں اور شکایتیں ان کی بارگاہ عالی میں شرف باریابی حاصل کر سکتی ہیں۔

(سیاست جدید کانپور)

انجمن ترقی اردو دلّی اسٹیٹ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ

دہلی۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کی عاملہ کی ایک میٹنگ میں جو کہ ۱۷ اپریل کی شام کو ہوئی گذشتہ سال کے حسابات کا جائزہ لیا گیا اور ان کو منظور کیا گیا۔ آئندہ سال کے بجٹ پر بھی مجلس عاملہ نے غور کیا۔ اراکین کو جنرل سکریٹری بیگم حمیدہ سلطان نے بتایا کہ انجمن کی ادبی کمیٹی نے گذشتہ ۲۰ سال کے اردو ادب کا انتخاب تیار کر لیا ہے اور ڈاکٹر تارا چند اس پر دیباچہ لکھ رہے ہیں توقع ہے کہ یہ مجموعہ اسی سال شائع ہو جائے گا۔ انجمن کی طرف سے علامہ کیفی کی منشورات کے نئے ایڈیشن کی تیاری بھی تقریباً مکمل ہو چکی ہے یہ اہم کتاب بھی زیادہ سے زیادہ جون میں شائع ہو جائے گی مجلس عاملہ نے ماہنامہ صبح کے مسائل پر غور کیا اور اس کا نہرو نمبر شائع کرنے کے بارے میں فیصلہ کیا۔ اس سلسلہ میں صبح کمیٹی کی ایک میٹنگ جلد ہی بلائی جائے گی۔ نئے حالات میں اردو کے مسئلہ پر بھی غور ہوا اور طے

پایا کہ ارباب اقتدار سے اردو کے مطالبہ کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انجمن کو اردو تعلیم اور اس سے متعلق مسائل کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔

(الجمعیۃ دہلی)

ریاستی انجمن ترقی اردو یوپی کے مطالبات

لکھنؤ۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ دفتر انجمن تہذیب لائبریری گولا گنج میں زیر صدارت پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب ہوا جلسہ میں حالیہ عام انتخابات کے بعد بعض سیاسی جماعتوں کی وعدہ خلافیوں اور اترپردیش کے وزیر تعلیم اور بعض وزرا کے بیانات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی ایک متفقہ تجویز منظور کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ بیانات جو اردو سے متعلق دئے گئے ہیں وہ انتہائی قابل مذمت ہیں اور ان کو بدترین قسم کے لسانی تعصب پر محمول کرتا ہے اور اسے قومی یکجہتی اور جمہوریت کے بھی خلاف سمجھتا ہے جس زبان میں وزیر تعلیم صاحب نے بیان دیا ہے وہ کسی حکومت کی زبان نہیں ہے بلکہ وہ لسانی اکثریت کے جبر و ستم کی زبان ہے یہ جلسہ ان تمام سیاسی جماعتوں سے جنھوں نے حالیہ انتخابات کے موقع پر اردو کے جائز حقوق دلانے کا وعدہ کیا تھا ان سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو عملی شکل دیں۔ یہ جلسہ اس وقت ان کی خاموشی کو وعدہ شکنی اور اردو دشمنی کے مترادف خیال کرتا ہے۔ ایک دوسری تجویز میں کہا گیا کہ یہ جلسہ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ کے اردو پروگراموں کے متعلق ریڈیو کی پالیسی پر اظہار افسوس کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ لکھنؤ جیسے اردو کے مرکزی گہوارہ سے بھی ایک اردو مجلس کے قیام کی ضرورت کی طرف لکھنؤ ریڈیو کے ذمہ داروں کو متوجہ کرتا ہے جس طرح ملک کے دوسرے اسٹیشنوں سے اردو کے پروگرام نشر ہونا شروع ہو گئے ہیں یہاں سے بھی "اردو مجلس" کے ذریعہ ہوں۔

انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کے سلسلہ میں بھی اپیل کی گئی ہے کہ ہمدردان اردو کو زیادہ سے زیادہ چار آنے فیس ممبری ادا کر کے انجمن کا ممبر بن جانا چاہیئے لکھنؤ کی انجمن کا انتخاب مئی کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا اور ۱۰ اپریل ۸ بجے صبح انجمن کی مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا جس میں انتخاب کے سلسلہ میں پروگرام پیش کیا گیا۔

(قومی آواز لکھنؤ)

اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا معاملہ

پٹنہ۔ بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے وعدے سے اب ملی جلی وزارت نے گریز شروع کر دیا ہے۔

یہ وعدہ منشور کے پروگرام میں شامل تھا اور گورنر کے خطبہ میں بھی اس کا ذکر کیا گیا تھا۔

گذشتہ ہفتہ کانگریس کے پروفیسر بیدم دیوزائن شرما نے بہار کونسل میں یہ سوال اٹھایا تھا انھوں نے ۱۲ اپریل کو سوالات کے مختصر وقفہ کے درمیان یہ سوال کیا تھا کہ کیا اردو کی وزارت کے اعلان کے مطابق اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی پالیسی پر عمل کرے گی یا نہیں۔

پروفیسر شرما نے یہ بھی پوچھا "اگر بہار کی حکومت اس پر عمل کرے گی تو کب کرے گی کون کون سے کام اردو میں ہوں گے اور اس پالیسی پر عمل کرنے میں کتنا خرچ ہوگا۔

وکل سلف گورنمنٹ کے وزیر شری بھولا پرشاد سنگھ نے جواب دیا "عمل میں لانے کے خرچ کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا اس لیے جواب نہیں دیا جا سکتا"۔

معلوم ہوا ہے کہ سوال پوچھنے سے پہلے جناب جگن ناتھ سرکار (بائیں کمیونسٹ) نے پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا تھا کہ اس سوال کو پوچھنے کی اجازت نہیں ملنا چاہیے کیونکہ یہ کابینہ کے حلف وفاداری کے خلاف ہے مگر کونسل کے چیرمین شری دیوسرن سنگھ نے کہا کہ گورنر کے خطبہ میں اس کا صاف صاف ذکر ہونے کے بعد کابینہ کے حلف وفاداری کا سوال ہی نہیں رہتا اس لیے میں اس کے پوچھے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

(قومی آواز)

آزادی کے بعد اردو شاعری کے رجحانات

حیدرآباد۔ آج کی شاعری کی بنیاد فرد اور اس کی جبلتوں کا کرب ہے۔ سماج کی پابندیاں جبلتوں پر عائد ہوتی ہیں اور ان دونوں کا تصادم آج کی شاعری میں نمایاں ہے وہ عصر کو ترقی پسند اور تنزل پسند حوالے کو نہیں سمجھتی۔ خواب اور تصور کے عالم میں جو علائم پیدا ہوتے ہیں وہ ہی نئی شاعری کی امیجری ہے نئے شاعر عصر حاضر کی نہیں بلکہ اس کے مرتے ہوئے لمحوں کی نمائندگی کرتے ہیں" ان خیالات کا اظہار کل مخدوم محی الدین نے ایک سمپوزیم میں کیا جو "ادارہ مصنفین نو" کی جانب سے کل شام یونانی طبیہ کالج (چار مینار) میں منعقد کیا گیا تھا۔ سمپوزیم کا عنوان "آزادی کے بعد اردو شاعری کے رجحانات" رکھا گیا تھا۔ سمپوزیم کا آغاز ایک مضمون سے کیا گیا جسے حسن فرخ نے پڑھ کر سنایا۔ شاذ تمکنت نے کہا کہ آج نئے شاعر کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہم بہت پرانی شاعری کو پڑھ رہے ہیں یہ شاعر قدیم دیومالائی ادب کا احیاء کرنا چاہتے ہیں۔ نئی شاعری ابھی تجرباتی دور میں ہے اس پر کوئی حکم لگانے سے پہلے ہمیں کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔ میر حسن نے کہا کہ نئی شاعری اگر بامقصد ہے تو وہ ترقی پسند شاعری ہے ورنہ وہ شاعری ہی نہیں کیونکہ ترقی پسند شاعری میں فرد کے لیے ہی سماج کو اہمیت دی جاتی ہے۔

حکیم یوسف حسین خاں نے شاعری کو ایک تسلسل قرار دیا اور کہا کہ یہ سیال اور رواں ہے آج کی شاعری میں نہ تو ہیئت نئے ہیں اور نہ موضوعات البتہ طریقۂ اظہار میں فرق پیدا ہوا ہے دور کی زبان کی شاعری یا تحریکات سے ہم پہلے کی بہ نسبت زیادہ فیض

اور اکتساب حاصل کر رہے ہیں۔ راشد آذر نے کارل مارکس کے اس حوالہ کو دہرایا کہ جب سوسائٹی بحران میں پہنچتی ہے تو شعرا اسی قسم کی شاعری کرنے لگتے ہیں۔ ترقی پسند شاعری بھی نئی ہو سکتی ہے پیش کرنے کے ڈھنگ اور فلسفہ کے اثر سے دونوں کے فرق کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ احمد ہمیش نے کہا کہ جدید شاعری اور نئی شاعری میں بھی فرق ہے جدید شاعری حالی سے شروع ہوتی ہے اور نئی شاعری کا آغاز ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد سے ہوتا ہے ابلاغ کے لیے شرط ہے کہ شاعر اور قاری کے ذہن میں یکسانیت ہو۔ مصحف اقبال توصیفی نے کہا کہ جس کرب کو شاعر نے جس انداز میں محسوس کیا ہو اس کا اظہار اسی انداز میں کرنا نئی شاعری کا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس کی وضاحت بھی کرے انھوں نے نئی شاعری کو فوٹو گرافی سے تعبیر کیا۔ شور میسانی نے کہا کہ یہاں بھی اور مغربی ملکوں میں بھی فنکار آجکل ذہن کی گہرائی میں جھانک کر زیادہ سے زیادہ اسے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جہاں فیض، مخدوم کے ہاں سماج کے دکھ درد کا احساس ہے وہیں ن م راشد کے ہاں فرد کی تنہائی کا۔ نئی شاعری ابھی تحریک نہیں بنی ہے۔ وہ منتظر ہے اپنے بڑے شاعر کی۔

سمپوزیم میں یوسف ناظم، نور محمد نور، تاج مہجور، امان ارشد اور سرینواس لاہوٹی اور احسن علی مرزا نے بھی حصہ لیا سمپوزیم سے پہلے مجتبیٰ حسین نے اپنی کہانی "تسلسل" پیش کی جس پر بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ آخر میں رؤف خلش کے شکریہ پر اس ادبی نشست کا اختتام ہوا۔

(مسعود عابد، سکریٹری نشر و اشاعت)

ریاستوں کے وزرائے تعلیم کی کانفرنس کی قراردادیں

نئی دہلی۔ اسسٹنٹ ایجوکیشن منسٹروں کی کانفرنس میں آج دس سال کی اسکول کی تعلیم دو سال کے ہائر سکنڈری کورس اور تین سال کی یونیورسٹی تعلیم کی سفارش کی گئی آئندہ نظام تعلیم کا ڈھانچہ اسی قسم کا رہے گا کانفرنس نے نظام تعلیم کے ڈھانچہ سے متعلق تعلیمی کمیشن کی رپورٹ پر غور کیا اور مختلف ریاستوں نے اس بارے میں جو رائے ظاہر کی تھی کہ وہ بھی زیر غور آئی ممبران پارلیمنٹ کی تعلیم سے متعلق کمیٹی نے بھی اس قسم کی سفارش کی تھی۔

کانفرنس نے سفارش کی کہ تمام سطحوں پر علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جانا چاہیے۔

کانفرنس میں رائے ظاہر کی گئی کہ اعلیٰ تعلیم کو علاقائی زبانوں کے ذریعہ دینے کے مقصد کو پانچ سال کے اندر اندر پورا کر دیا جائے۔

لیکن کم سے کم پروگرام کے طور پر عوام اس کو اس عرصہ میں انڈر گریجویٹ سطح تک مکمل کر لیا جانا چاہیے۔

لسانی اقلیتوں کو جن میں آسام کے پہاڑی علاقوں کے عوام بھی شامل ہیں۔ جن کے لیے ذریعہ تعلیم انگریزی ہے۔ مناسب تحفظات دیئے جانے چاہئیں۔ تمام علاقائی زبانوں میں لٹریچر شائع کرنے کے لیے مرکزی حکومت کو آزادی کے ساتھ امداد دینی چاہیے۔

مادری زبان کا پہلا نمبر ہے
مسز گاندھی کا اعلان

نئی دہلی۔ مسز گاندھی وزیر اعظم نے پانچویں کل ہند لسانی کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے آج کہا کہ ہندوستان میں اگر کوئی رابطہ کی زبان ہو سکتی ہے تو وہ ہندی زبان ہے لیکن مادری زبان کا پہلا نمبر ہے کسی دوسری زبان کو نقصان پہونچا کر ہندی کو زبردستی رائج نہیں کیا جائے گا۔

مسز گاندھی نے کہا کہ والدین یا استاد کو بچوں پر بہت زیادہ زبانیں سیکھنے کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ بین الاقوامی رابطہ کی زبان انگریزی ہی ہو سکتی ہے۔ ہندی کے برعکس ہر شخص کے لیے انگریزی سیکھنا ضروری نہیں۔ (الجمعیۃ دہلی)

ہریانہ میں پرائمری درجوں سے اردو کی تعلیم کا انتظام

چنڈی گڑھ۔ ریاست میں لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے خیال سے اردو ذریعہ تعلیم کے سلسلے میں ہریانہ گورنمنٹ نے اپنی پالیسی کا اعلان کر دیا۔ ہندی لازمی مضمون کی حیثیت سے پرائمری درجوں سے پڑھائی جائے گی ہندی ہی تمام سرکاری تسلیم شدہ اور پرائیویٹ اسکولوں میں ذریعہ تعلیم رہے گی۔ انگریزی درجہ ششم سے پڑھائی جائے گی اور اس کی حیثیت دوسرے لازمی مضمون کی ہوگی۔ سنسکرت اور اردو اور پنجابی درجہ ہفتم سے پڑھائی جائے گی۔ اگر اردو کے طلبہ کی تعداد کافی ہوئی تو پرائمری کلاسز سے اردو پڑھائی جائے گی۔ اسی طرح پنجابی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ (الجمعیۃ دہلی)

تبصرہ

عتیق احمد صدیقی

آداب اردو - حکیم کنجپین کرنالی

صفحات: ۲۰۸

قیمت: دو روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ: اردو مشن ملتان (مغربی پاکستان)

زبان کے استعمال اور اس کی توسیع کے سلسلے میں آتشا نے جو ترقی پسند نظریہ پیش کیا تھا، اس کو علامہ کیفی اور مولانا تسلیم وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ کنجپین صاحب کی یہ کوشش "آداب اردو" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کتاب میں جا بجا ان پیش رو حضرات کے اقوال سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ قواعد کی کتاب نہیں ہے نہ لسانیات کی لیکن قواعد، لسانیات کی بہت سی بحثیں اس کے دامن میں سمٹ آئی ہیں۔ کتاب میں جن مباحث کو اٹھایا گیا ہے انھیں چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے الفاظ، تلفظ، املا اور اصول استعمال مصنف کا کہنا ہے کہ اردو زبان میں ان سب کو اردو طریقہ کا پابند رکھا جائے۔ لفظ کسی بھی زبان کا ہو مگر اردو میں آنے کے بعد اردو کا ہے اور اس کو اردو کے قواعد کا پابند ہونا چاہیے تاکہ اردو محض دوسری زبانوں کا ضمیمہ بن کر نہ رہ جائے۔

ایک دور تھا کہ جب اردو کے لیے اہل دہلی یا اہل لکھنؤ کی سند تسلیم کی جاتی تھی۔ مگر اب اردو کا حلقۂ اثر کافی وسیع ہو گیا ہے اور ان مقامات کی بھی وہ مرکزی حیثیت باقی نہیں رہی۔ اردو استعمال کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں۔ لہٰذا یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ "اہل زبان" کے بجائے اب "اہل اردو" کی اصطلاح استعمال کی جائے اور اردو کے معیار اہل اردو کے مستعملات سے مقرر کیے جائیں۔ مولانا تسلیم نے "وضع اصطلاحات" میں جو اصول پیش کیے تھے انھیں کی ایک جھلک نئے الفاظ اور اصطلاحات کے سلسلے میں یہاں نظر آتی ہے۔ بعض مرکبات کی مختصر شکلیں نمونہ کے طور پر دی گئی ہیں جیسے پاکندی (پاکستانی، ہندوستانی)، عربنگریزی (عربی۔ انگریزی) فرندی (فارسی۔ ہندی) وغیرہ۔ اسی طرح بعض اسما سے افعال بنانے کی سفارش کی گئی ہے۔ مثلاً اردونا (اردو بنانا)، ترجانا (ترجمہ کرنا) وغیرہ۔ ہر دو تجاویز کا مقصد طوالت سے بچنا ہے اور یہ مستحسن ہے۔ یہ اور اس طرح کے کئی دوسرے خیالات جو اس کتاب کی اشاعت کا مقصد ہیں اس بات کے شاہد ہیں کہ مصنف کو زبان کی متحرک فعال اور نامیاتی خصوصیت کا احساس ہے ضرورت ہے کہ یہ نقطۂ نظر عام ہو۔

لیکن بعض بیانات محل نظر ہیں۔

انشا کی تقلید میں اردو کی آوازیں "پچاسی اور پچانوے" بتائی گئی ہیں۔ پھر یہ کہ "انگریزی کی ۲۶ آوازیں ہیں حالانکہ نہ انگریزی کی ۲۶ آوازیں ہیں اور نہ اردو کی "پچاسی اور پچانوے" آوازیں۔ انگریزی حروف کی تعداد البتہ ۲۶ ہے۔ اردو آوازوں کی تعداد کسی طرح بھی پچاس سے زیادہ نہیں ہوتی۔

"دلی کی زبان نیچرل ہے اور لکھنؤ کی ان نیچرل" یا "لکھنؤ کے لہجے میں نسائیت ہے" یا "یہ دونوں (دہلوی اور لکھنوی) لہجے، جو ہمارے پاکندمیں معیاری سمجھے جاتے ہیں پانی پت کے لہجے کے سامنے بہت ماند ہیں" وغیرہ بیانات نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ پانی پت کے اردو لہجے کی برتری کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہاں "چھوٹے چھوٹے حافظ اتنی" خوش لہجگی "سے قرآن پڑھتے ہیں کہ روح اہتزاز کرنے لگتی ہے"۔ کہاں قرآنی لہجہ اور کہاں اردو!

"زندگی کرنے" کو "ترقی پسندی" کا اختراع اور اس لیے قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن میرؔ کا شعر ہے ؎

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

تیسرا باب اردو مصنفین کی لسانی غلطیوں کی نشاندہی کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ یہ کام بھی مفید تو ہے لیکن اس کتاب کی افادیت میں اس سے اضافہ نہیں ہوا۔ ایسی کتابوں میں معروضی طور پر خیالات کا اظہار ہونا چاہیے۔

مجموعی طور پر کتاب مفید ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جن کی مادری زبان اردو نہیں لیکن انھیں اردو پھر بھی عزیز ہے اور اسے سیکھنا چاہتے ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا